اردو (لازمی) وقت: 2.10 گھنٹے	دہم 2020ء (دوسرا گروپ)	پرچہ II: (انشائیہ طرز) کل نمبر: 60

(حصہ اوّل)

2- درج ذیل نظم وغزل کے اشعار کی مختصر تشریح کیجیے (تین اشعار حصہ نظم سے اور دو اشعار حصہ غزل سے): (10)

(حصہ نظم)

(i) وہی خالق ہے دل کا اور دل کے نیک ارادوں کا
وہی مالک ہمارا اور ہمارے باپ دادوں کا

(ii) یہ سماں اور اک قوی انسان، یعنی کاشت کار
اِرتقا کا پیشوا، تہذیب کا پروردگار

(iii) اس کی چھاتی پر کئی ٹانگے اُلٹ کر رہ گئے
سیکڑوں گھوڑوں کا اس پر ہو چکا ہے انتقال

(iv) یہ سعادت حورِ صحرائی! تری قسمت میں تھی
غازیانِ دیں کی سقائی تری قسمت میں تھی

(حصہ غزل)

(v) ترے رتبہ دانِ محبت کی حالت
ترے شوق میں کیا سے کیا ہو گئی ہے

(vi) مِل کے بھی جو کبھی نہیں ملتا
ٹوٹ کر دل، اُسی سے ملتا ہے

(vii) بات یہ ہے کہ سکونِ دلِ وحشی کا مقام
کُنجِ زنداں بھی نہیں وسعتِ صحرا بھی نہیں

(حصہ نظم)

جواب: (i) تشریح:

شاعر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہر ارادے سے واقف

ہے۔ ہمارے دلوں میں جو خیال پیدا ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ اگر ہم دل میں کسی نیک کام کا ارادہ کریں تو ہمیں جان لینا چاہیے کہ اس نیک کام کی تحریک اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہمیں نیکی کے کاموں کی طرف راغب کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ انسان اپنی بخشش کا سامان کرے۔ اس لیے وہ اپنے پیارے بندوں کو نیک کام کرنے پر تیار کر کے اُن نیک کاموں کے لیے آسانیاں پیدا کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا مالک ہے اور ہمارے بزرگ بھی اسی کے بندے تھے۔ غرض اللہ تعالیٰ کی حاکمیت ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔

(ii) تشریح:

صبح سویرے کے اس خوبصورت منظر میں ایک مضبوط، طاقتور اور توانا انسان یعنی کاشت کار اپنے کھیتوں کی جانب رواں دواں ہوتا ہے۔ کسان اور کاشت کار محض کھیتی باڑی کرنے کا ذمہ دار نہیں، بلکہ وہ ارتقا کا پیشوا اور تہذیب کو فروغ دینے والا ہے۔ انسانی تہذیب و ترقی کی تمام منازل میں کسان نے اپنی محنت و مشقت سے ایک سرگرم کردار ادا کیا ہے۔

(iii) تشریح:

شاعر ایک سڑک مال گودام روڈ کے بارے میں بتاتا ہے کہ اس سڑک کے سینے پر بہت سے تانگے اُلٹ کر رہ گئے اور سیکڑوں گھوڑوں کا اس پر انتقال ہو چکا ہے۔ یعنی سڑک اتنی خستہ حال ہے کہ اس پر تانگے کا چلنا محال ہے۔ اکثر تانگے اُلٹ کر گر جاتے ہیں۔ اور گھوڑوں کو اتنی شدید چوٹیں آتی ہیں کہ ان کا انتقال ہو جاتا ہے۔ شاعر اس شعر میں ایک سڑک کی خستہ حالی اور ان پر گرنے والے تانگوں اور گر کر مرنے والے گھوڑوں کے بارے میں بیان کر رہا ہے۔

(iv) تشریح:

علامہ محمد اقبالؒ فاطمہ بنت عبداللہ (عرب لڑکی، جو 1912ء کی طرابلس کی جنگ میں غازیوں کو پانی پلاتی ہوئی شہید ہوگئی تھی) کی روح سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ ریگستان میں رہنے والی پاکدامن لڑکی، اللہ تعالیٰ نے تجھے ایک بڑی اہم ذمہ داری کے لیے چن لیا۔ تُو بہت خوش قسمت ہے کہ تیرے ذمے اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو پانی پلانے کا فرض سونپا۔ کسی کو عام حالات میں پانی پلانا ویسے ہی بڑی سعادت اور نیکی کی بات ہے۔ اور پھر ان مجاہدین کو پانی پلانا، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کے دین اور وطن کی حفاظت کے لیے دوسروں سے جنگ لڑ رہے ہوں، تو بہت زیادہ اجر و ثواب کا موجب ہے۔ تُو انتہائی خوش قسمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غازیانِ دین کو پانی پلانے کے اہم فریضے کی ادائیگی کے لیے تمھارا انتخاب کیا۔

(حصہ غزل)

(v) تشریح:

شاعر کہتا ہے: اے میرے پروردگار! تیری محبت کا بلند مقام اور مرتبہ جاننے والوں کی کیفیت تیرے عشق میں تجھ سے ملنے کے شوق میں کیسی ہوگئی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی محبت کی قدر و قیمت کو جان لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ وہ مجھ سے بڑی محبت کرتا ہے کیونکہ وہ میرا خالق و مالک ہے۔ میں بھی اللہ تعالیٰ سے بہت محبت کرتا ہوں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق بھی رکھتا ہوں۔ اسی کی محبت کی تلاش میں میری حالت ایسی ہوگئی ہے۔

(vi) تشریح:

اس شعر میں شاعر نے اپنے محبوب کی لاپروائی کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ میرا محبوب میرے قریب ہوتے ہوئے بھی قریب نہیں ہے۔ میں اس کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں، مگر وہ میرا ساتھ نہیں دیتا۔ اس کی لاپروائی اور بے وفائی سے میرا دل ٹوٹ جاتا ہے، لیکن میں اس سے اتنی محبت کرتا ہوں کہ میرا دل پھر بھی اسی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اسی کی قربت کا سکون حاصل کرنا چاہتا ہے۔

(vii) تشریح:

اِس شعر میں شاعر فراق گورکھپوری کہتے ہیں کہ اگر عشق میں انسان اتنی زیادتی کردے کہ اس کا دل وحشی بن جائے تو پھر اِس دل کو سکون و قرار ناممکن ہے۔ ایسے دل کو اگر جیل میں بھی قید کردیا جائے، زنداں میں ڈال دیا جائے تو اس کی تڑپ کو قرار و آرام نہیں مل سکتا۔ محبوب کی یاد میں بے قرار ہونے والے وحشی کا ٹھکانا نہ تو زنداں کی قید ہے اور نہ اِسے صحرا کی وسعتوں میں قرار ملتا ہے۔

(حصہ دوم)

سوال: 3- درج ذیل نثر پاروں کی تشریح کیجیے۔ سبق کا عنوان، مصنف کا نام اور خط کشیدہ الفاظ کے معانی بھی لکھیے: (5,5)

(الف) مرزا صاحب دِلّی کے شرفا کے ایک متموّل خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ترا ہا بیرم خان سے آگے بڑھ کر ایک راستہ سیدھے ہاتھ کو مُڑ جاتا ہے، اسی کے نکڑ پر مرزا صاحب کا آبائی مکان تھا۔ اسی علاقے میں سر سیّد احمد خان کا قدیم مکان بھی تھا۔ سر سیّد سے بھی مرزا صاحب کی عزیز داری تھی۔

جواب: سبق کا عنوان: مرزا محمد سعید　　مصنف کا نام: شاہد احمد دہلوی

مشکل الفاظ کے معانی:

متموّل: مال دار، دولت مند　　چشم و چراغ: بیٹا، اولاد

تراہا: جہاں تین راستے ملیں، تکون　عزیز داری: رشتہ داری

تشریح:

مرزا صاحب کا تعلق دِلّی کے ایک دولت منداور معزز گھرانے سے تھا۔ دِلّی کی مشہور تکون بیرم خان سے آگے بڑھ کر ایک راستہ دائیں طرف مُڑ جاتا ہے۔ اس موڑ پر مرزا صاحب کا وراثتی مکان تھا۔ اِسی علاقے میں سرسید احمد خان کا پُرانا مکان بھی واقع تھا۔ سرسید احمد خان، مرزا محمد سعید کے رشتہ دار تھے۔ منشی ذکاءاللہ، جو عربی و فارسی کے جیّد عالم تھے، سے بھی مرزا صاجب کی رشتہ داری ہوگئی تھی، منشی ذکاءاللہ، سرسید احمد خان کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔

(ب) وہ بہت سادہ مزاج، بھولا بھالا اور منکسرُ المزاج تھا۔ اُس کے چہرے پر بشاشت اور لبوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی۔ چھوٹے بڑے ہر ایک سے جھک کر ملتا۔ غریب تھا اور تنخواہ بھی کم تھی۔ اس پر بھی اپنے غریب بھائیوں کی بساط سے بڑھ کر مدد کرتا رہتا تھا۔ کام سے عشق تھا اور آخر کام کرتے کرتے ہی اس دُنیا سے رخصت ہوگیا۔

جواب: سبق کا عنوان: نام دیو مالی　　مصنف کا نام: مولوی عبدالحق

مشکل الفاظ کے معانی:

بھولا بھالا: شریف / سیدھا سادا　　منکسرُ المزاج: عاجز، نرم طبیعت

بشاشت: خوشی　　بساط: ہمت طاقت

تشریح:

نام دیو مالی کی ذات بہت سی خوبیوں کا حسین مرقع تھی۔ اس کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ اس کا مزاج بہت سیدھا سادہ اور بھولا بھالا تھا۔ اس کا چہرہ ہر وقت ہنستا رہتا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہی رہتی تھی۔ وہ ہر چھوٹے بڑے کی عزت کرتا تھا۔ وہ مالی طور پر غریب، لیکن دلی طور پر بہت امیر تھا۔ اس کو کام کے عوض بہت کم تنخواہ ملتی تھی، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے احباب کی مدد کرتا رہتا تھا۔ اس کو دوسروں کا خیال رہتا تھا۔ اگر اس کا کوئی دوست اس سے مدد طلب کرتا تو جہاں تک ممکن ہوتا وہ اس کی مدد کرتا تھا۔

سوال :4- درج ذیل میں سے کوئی سے پانچ سوالات کے مختصر جوابات لکھیے: **(10)**

(i) لڑکی سٹیشن پہنچی تو اس نے سب سے پہلے کیا دیکھا؟

جواب: لڑکی سٹیشن پر پہنچی تو اس نے دیکھا کہ زمین اور بینچوں پر سیکڑوں آدمی لاشوں کی طرح سوئے

پڑے ہیں، جیسے ان کو سفر کرنا ہی نہ تھا۔

(ii) مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کیا ہے؟

جواب : مسلمانوں کی قومیت ایک نظریاتی قومیت ہے، جو لا الٰہ الا اللہ پر قائم ہے یعنی یہ کہ نسل، رنگ اور وطن کی بنیاد پر نہیں، بلکہ ایک نظریے، ایک عقیدے، ایک کلمے کی بنیاد پر وجود میں آئی ہے، اور اس نظریاتی پہلو کو نمایاں کرنے کے لیے اسے ملّت کہا گیا ہے۔ ایسی نظریاتی قومیت میں ہر نسل، ہر رنگ اور ہر جغرافیائی خطے کے لوگوں کے لیے جگہ ہوتی ہے۔

(iii) سبق "اُٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے" کے حوالے سے حکومت کی اوّلین ترجیح کیا ہے؟

جواب : سبق "اُٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے" میں حکومت کی اولین ترجیح دہشت گردی کا خاتمہ کرنا ہے۔

(iv) لوک کہانی کی مختصر تعریف کیجیے۔

جواب : لوک کہانیاں یا لوک داستانیں کسی معاشرے، تہذیب اور زبان کا قیمتی سرمایہ ہوتی ہیں۔ ان کہانیوں کے مصنف کا کسی کو اتا پتا نہیں ہوتا۔ یہ کہانیاں سینہ بہ سینہ ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ ان کے ذریعے محبت، ایثار، خلوص، مروت، اتحاد، دوستی اور بہادری جیسی صفات معاشرے میں پروان چڑھتی ہیں اور نسلوں کی کردار سازی میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

(v) مرزا غالب کے تیسرے خط میں مجتہد العصر سے کون سی شخصیت مراد ہے؟

جواب : مرزا غالب کے تیسرے خط میں مجتہد العصر سے مراد میر مہدی مجروح کے چھوٹے بھائی میر سرفراز حسین ہیں۔

(vi) فاطمہ بنت عبداللہ کون تھی؟

جواب : فاطمہ بنت عبداللہ حورِ صحرائی یعنی صحرا میں پیدا ہونے والی پاکیزہ لڑکی تھی۔

(vii) نظم "کسان" کے مطابق نبضِ خاک پر انگلیاں رہنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب : کسان کی انگلیاں زمین کی نبض پر رہتی ہیں یعنی وہ زمین کی حالت و کیفیت کا مسلسل جائزہ لیتا رہتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ زمین سیراب ہے یا خشک، کاشت کے لیے تیار ہے یا نہیں؟ وہ ان تبدیلیوں کا جائزہ لے کر مناسب اقدامات کرتا ہے۔

(viii) جگر کی غزل کے مطابق ہوش اور بے خودی کے ملنے سے دنیا کے کاروبار کیسے سنورتے ہیں؟

جواب : انسان جب ہوش و حواس میں رہ کر اپنے اندر جذبۂ عمل پیدا کرتا ہے تو دنیا کے کام کاج سنورنے لگتے ہیں۔ جذبۂ عمل ہی کامیابی کی ضمانت ہے۔

سوال 5: کسی ایک سبق کا خلاصہ لکھیے: (5)

(i) مرزا محمد سعید (ii) چغل خور

جواب:

(i) مرزا محمد سعید

صبح پروفیسر مرزا محمد سعید کے سوم کی خبر اخباروں میں پڑھ کر دل دھک سے رہ گیا۔ ان کے سانحہ ارتحال کی خبر ان کے دوستوں کو بھی نہ ہوئی۔

مرزا صاحب اتنے خاموش طبع تھے کہ اکثر لوگوں کو ان کے علمی و ادبی کارناموں سے حقیقی شناسائی نہیں ہوئی۔ وہ صرف اسی وقت لکھتے جب خود ان کا دل چاہتا۔ انھوں نے اسی جذبے سے "مخزن" کے لیے لکھا۔ لاہور کے اکثر پبلشر مرزا صاحب سے کچھ لکھنے کی فرمائش کرتے، لیکن اپنی مرضی کے بغیر ایک لفظ نہ لکھتے۔ انھوں نے اپنا پہلا ناول "خواب ہستی" بھی کچھ لیے دیے بغیر چھپوا دیا۔

ایک پبلشر لاہور سے دلی آئے تا کہ مرزا صاحب سے ناول لکھنے کے لیے کہیں۔ اسے زعم تھا کہ وہ مرزا صاحب کو ایک ہزار کا کثیر معاوضہ دے کر ناول لکھوا لیں گے۔ پبلشر مضمون نگار کے ہمراہ پروفیسر صاحب سے ملے۔ ناول کی فرمائش کی۔ مرزا صاحب نے ٹھنڈے مزاج سے جواب دیا۔ "آپ پانچ یا دس ہزار بھی دے دیں تو میں اپنا تحقیقی کام "مذہب اور باطنیت" چھوڑ کر ناول نہیں لکھ سکتا۔"

مرزا صاحب دلی کے شرفا کے ایک امیر گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے رہائشی علاقے میں سر سید احمد خاں کا قدیم مکان بھی تھا۔ ان دنوں مسلمان شرفا انگریزی تعلیم کو برا سمجھتے تھے۔ سر سید نے مسلمانوں کے غلط نظریے کی اصلاح کی۔ چنانچہ دلی کے اسی حلقے میں ایک مشتاق احمد زاہدی اور دوسرے پروفیسر مرزا محمد سعید انگریزی تعلیم سے بہرہ ور ہوئے۔ مرزا صاحب نے گورنمنٹ کالج لاہور سے تعلیم حاصل کی۔ 07-1906ء میں علی گڑھ میں پڑھایا اور پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں انگریزی کے پروفیسر ہو گئے۔ پطرس اور تاج بھی ان کے شاگردوں میں شامل ہیں۔ پطرس تو وائسرائے ہند سے زیادہ ان کا احترام کرتے تھے۔

پطرس بخاری ریڈیو پاکستان کے ڈائریکٹر جنرل ہو گئے، لیکن دوستوں سے راہ و رسم میں کوئی فرق نہ آیا۔ انھوں نے مرزا صاحب کو ریڈیو پر تقریر کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ دو ایک تقریروں کے بعد مرزا صاحب نے بوجہ کاٹ چھانٹ کانٹریکٹ واپس کر دیے۔ پطرس بخاری نے وجہ پوچھی تو کہنے لگے "مجھے منظور نہیں کہ تمھارے شاگرد مجھے اصلاح دیں۔" تقریروں کے انچارج نے کہا: پھر اس طرح میری نوکری چلی جائے گی اور بچے بھوکے مر جائیں گے۔ یہ بات سن کر مرزا صاحب نے فوراً دستخط کر دیے۔

جنگ کے زمانے میں لاہور کے بیشتر ادیب اور شاعر اتفاق سے دلی میں جمع ہو گئے۔ پطرس کی

تحریک پر ایک ادبی حلقہ بن گیا۔ تنقیدی نشست ہوئی۔ ایک جلسے میں محمود نظامی کے مقالے پر اظہارِ خیال ہونا تھا۔ مرزا صاحب نے محتاط رائے دی۔ پطرس نے فیض کو اشارہ کیا اور وہ مرزا کی بات کاٹ کر بولنے لگے۔ مرزا صاحب جلال میں آ گئے اور فوراً پرانی تہذیبوں کی تاریخ کے اوراق کھنگال ڈالے۔ فیض دم بخود رہ گئے۔ آخر چائے کا سامان رکھوایا گیا، جس سے مرزا کا جوش ٹھنڈا ہوا۔

مرزا گھنٹوں مطالعے میں مصروف رہتے اور اپنی آمدنی کا زیادہ حصہ کتابیں خریدنے میں صَرف کر دیتے۔ بیوی ادبی ذوق کی مالک اور اولاد سعادت مند، پنشن اتنی تھی جس سے بآسانی گزارہ ہو سکے۔ غرض زندگی ہر لحاظ سے مطمئن تھی۔

ریڈیو پاکستان سے ایک پروگرام "دانش کدہ" شروع کیا گیا۔ مرزا صاحب کو بھی اس میں شرکت کی دعوت دی گئی، مگر انھوں نے انکار کر دیا۔

قیامِ پاکستان سے قبل مرزا صاحب نے سیاست میں بھی حصہ لیا اور صوبائی مسلم لیگ کے صدر اور مسلم لیگ کونسل کے ممبر چنے گئے۔ کراچی یونیورسٹی میں مشیر رہے۔ ادیبوں کے گلڈ 1959ء کے پہلے اجلاس کی صدارت مرزا ہی نے کی تھی۔

مرزا صاحب اکہرے بدن کے خوش وضع انسان تھے۔ آنکھیں روشن، رخساروں کی ہڈیاں اُبھری ہوئی۔ ڈاڑھی مُنڈی ہوئی، دہان پان سے آدمی، دلی میں سب سے پہلے انگلش سوٹ مرزا ہی نے پہنا۔ انھیں 32 سال سے ہمیشہ شیروانی پہنتے دیکھا۔ چالیس سال کی عمر کے بعد ہاتھوں میں رعشہ آ گیا تھا، اس لیے لکھنے میں دقت محسوس ہوتی تھی۔ خلوت پسندی کی عادت زیادہ تھی۔

موت برحق ہے، لیکن مرزا صاحب کی وفات کا صدمہ اس لیے زیادہ ہے کہ ایسے عظیم لوگ زمانہ کم ہی پیدا کرتا ہے۔ مرزا کی محرومی کا جتنا بھی غم کیا جائے، کم ہے۔

(ii) چغل خور

جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2018ء (پہلا گروپ)، سوال نمبر 5(ii)۔

سوال :6- کسی ایک عنوان پر مضمون لکھیے: **(15)**

(i) چاندنی رات (ii) سائنس کے کرشمے (iii) سیلاب کی تباہ کاریاں

جواب :

(i) چاندنی رات

مفہوم:

رات آرام و سکون کا وقت ہے۔ یہ سکون بخش ہے، لیکن چاندنی رات اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے گراں قدر نعمت ہے۔ یہ دلکشی اور حسن و جمال کا ایک شاہکار ہے۔ نقش و نگار کی حسین تحریر ہے۔ یہ دلوں

میں تلاطم برپا کر دیتی ہے۔

اہمیت:

حسنِ فطرت کے دلفریب مناظر اور مرقعوں کی کمی نہیں ہے۔ ہمارے چار سُو قدرت نے اپنی رنگینیاں بکھیر رکھی ہیں؛ جس میں سے چاندنی رات کا نظارہ ایک مسحور کن کیفیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس میں کچھ ایسی شان، کچھ ایسا طلسم ہوتا ہے کہ کوئی دل اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

چاندنی رات کی کیفیت:

اس رات ہر طرف سفید چادر سی بچھنے لگتی ہے۔ نور کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔ جنگل، صحرا، میدان، پہاڑ ہر جگہ چاندنی کا جادو چل جاتا ہے۔ ہر طرف نور کے مقدس پانی میں دھلی سفید، صاف اور شفاف چادر پھیل جاتی ہے۔ تاریکی اپنا منہ چھپائے کونوں میں جا دبکتی ہے۔

نور ہی نور:

چودھویں کا چاند ہر طرف نور ہی نور بکھیرتا ہے۔ یہ نور کا منبع اور روشنی کا جھاڑ بلند ہوتا جاتا ہے۔ نور کی یہ چادر سب چیزوں کو اپنے دامن میں چھپا لیتی ہے۔ درختوں پر روشنی اور نور کی بارش ہونے لگتی ہے، جیسے وہ چاندنی میں نہا رہے ہوں۔ راہیں کچھ کچھ روشن اور کچھ کچھ تاریک نظر آتی ہیں۔ پھولوں کا حسن ایک نئی دلفریبی و دلکشی کا منظر پیش کرتا ہے۔ المختصر! چاندنی رات میں وہ سحر ہے کہ ہر چیز اس سے متاثر ہوتی ہے اور ہر طرف نور کا دریا پھیلا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

شاعر کے جذبات:

چاندنی رات میں شاعر کے جذبات مچل اٹھتے ہیں۔ اس میں اشعار کہنے کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ دنیا کے ہر ملک کی شاعری میں چاندنی رات یا چاند پر بے شمار نظمیں، گیت اور شعر کہے گئے ہیں۔ شاعر ایک مستانہ کیفیت میں ڈوب جاتا ہے۔ کیف و سرور کی اس حالت میں وہ غزلوں پر غزلیں کہہ جاتا ہے۔ وضاحت کے دریا بہنے لگتے ہیں۔

چاندنی رات اور انسانی جذبات:

جوانی میں چاندنی رات انسانی جذبات میں ایک نامعلوم، انوکھی اور دلفریب ہل چل پیدا کر دیتی ہے۔ دلوں میں ایک نہایت میٹھا اور خوشگوار اضطراب کروٹیں لینے لگتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ قدرت کے اس دلفریب منظر سے خوب محظوظ ہوا جائے اور قدرت کی رنگینیوں سے لطف اٹھایا جائے۔

محاورے کی زبان میں:

چاند کا لفظ کتنا پیارا اور دل کش ہے۔ چاند کے متعلق بہت سے محاورات اور تشبیہات بنائی گئی

ہیں۔مثلاً چار چاند لگانا، چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات، چاند کا مکھڑا وغیرہ۔ جب کوئی عزیز بڑی مدت کے بعد ملتا ہے تو انسان بے ساختہ پکار اٹھتا ہے: ''آج کدھر سے چاند نکل آیا؟'' یا ''بھئی آپ تو عید کا چاند ہو گئے ہو۔'' شاعر بھی حسین چہرے کو چاند سے تشبیہ دیتے ہیں۔ ماں پیار سے بے ساختہ اپنے بچوں کو پکارتی ہے: ''میرا چاند''۔

جوار بھاٹا یا مدوجزر:

چاند کی کشش سمندر کے پانی پر عجیب طرح سے اثرانداز ہوتی ہے۔ اس کشش کے ذریعے سمندر کی لہروں میں اتار چڑھاؤ پیدا ہوتا ہے، جسے جوار بھاٹا یا مدوجزر کہتے ہیں۔ یہ منظر انتہائی دلکش اور دلفریب ہوتا ہے۔

سحر انگیز منظر:

چاندنی رات میں پرندے بھی اپنے اپنے آشیانوں سے نکل کر فضا میں چہچہانے لگتے ہیں۔ ہوا کے ہلکے ہلکے پُر کیف جھونکے بھی ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ ایسے سحر انگیز موقع پر کس کا جی چاہتا ہے کہ وہ گھر کی چاردیواری میں بند پڑا رہے۔ کیوں نہ وہ دریا کی گنگناتی اور مچلتی لہروں میں پاؤں لٹکائے بیٹھا رہے۔ چاند کے عکس کے ساتھ کھیلے، پرندوں کے ساتھ مل کر تانیں اڑائے اور سطحِ آب پر تیرتی ہوئی چاند کی نقرئی کرنوں کو اپنی نگاہ میں جذب کرتا رہے۔

حاصلِ کلام:

غرض چاندنی رات اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں ہوگا جسے چاند اور چاندنی سے لگاؤ نہ ہو۔ یہ اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جسے قدرت کے اس شاہکار سے محبت نہیں وہ انتہائی بدذوق شخص ہے۔

جس طرح چاندنی رات تھوڑے عرصے کے لیے ہوتی ہے اور پھر اندھیری راتیں شروع ہو جاتی ہیں، اسی طرح انسانی زندگی میں رنج کے بعد راحت اور زندگی کے بعد موت ہے۔ ہمیں ہر وقت نیک اعمال کرنے چاہییں تاکہ ہم خالقِ کائنات کے سامنے جب حاضر ہوں تو نامۂ اعمال نیکیوں سے بھرا ہوا ہو۔

(ii) سائنس کے کرشمے

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہِ کامل نہ بن جائے

مفہوم و اہمیت:

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ یہ شرف اسے اس لیے حاصل ہے کہ اسے علم جیسی نعمت سے نوازا گیا ہے۔ سائنس علم ہی کا ایک شعبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین دماغی صلاحیتیں عطا کی ہیں۔ وہ ان صلاحیتوں سے کام لے کر مسلسل ارتقا و ترقی کی منازل طے کرتا رہتا ہے۔ انسان نے سائنس کی بدولت اس قدر ترقی حاصل کر لی ہے کہ اس کے کارناموں پر حیرت ہوتی ہے۔ انسان نے آج تک ترقی کی جو منازل طے کی ہیں وہ سب سائنس ہی کی مرہونِ منت ہیں۔ یہ دنیا ابتدا میں کیا تھی اور آج کس مقام پر کھڑی ہے؟ اگر زمانہ قدیم کا انسان آج کے دورِ جدید میں آجائے تو وہ اس کے طلسمات میں کھو کر رہ جائے۔ آج کا انسان سمندروں، ہواؤں اور فضاؤں کو مسخر کر کے خلا کی تسخیر کر رہا ہے۔ وہ چاند پر قدم رکھ چکا ہے اور دوسرے سیاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے۔ ذیل میں سائنس کی بعض ایجادات کا مختصراً جائزہ لیا جاتا ہے۔

1- ریل گاڑی:

ذرائع آمد و رفت میں ریل گاڑی کی ایجاد نے ایک انقلاب پیدا کر دیا، اس کے ذریعے طویل فاصلے سمٹ کر رہ گئے اور مہینوں کا سفر دنوں اور گھنٹوں میں طے ہونے لگا۔ علاوہ ازیں اس کے ذریعے بھاری سامان کی نقل و حمل میں بہت آسانی پیدا ہو گئی ہے۔ اب برقی ٹرین نے ایک اور انقلاب پیدا کر دیا ہے اور دو ریلوے لائنوں کی بجائے فقط ایک لائن کے ذریعے ٹرین چلائی جا رہی ہے۔

2- موٹر کار:

ذرائع آمد و رفت میں موٹر کار ایک اور مفید سائنسی ایجاد ہے۔ جن مقامات پر ریل گاڑی کا پہنچنا مشکل ہے وہاں موٹر کار بآسانی استعمال کی جا سکتی ہے۔ اس کا استعمال وقت گزرنے کے ساتھ تیزی سے بڑھ رہا ہے، اور یہ آج کے انسانوں کے لیے ایک ضرورت بن کر رہ گئی ہے۔

3- بحری جہاز:

بحری جہاز ایک اور مفید اور مؤثر سائنسی ایجاد ہے۔ اس کے ذریعے انسان نے گہرے اور زخار سمندروں کی وسعتوں کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک پورے کا پورا شہر سمندر کی متلاطم موجوں اور تھپیڑوں سے کھیلتا ہوا جانبِ منزل رواں دواں ہے۔

4- ہوائی جہاز:

ہوائی جہاز ایک حیرت انگیز سائنسی ایجاد ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ انسان بڑی حسرت سے پرندوں کو آسمان کی وسعتوں میں پرواز کرتے دیکھتا تھا، لیکن آج وہ خود ان فضاؤں میں محوِ پرواز ہے۔ ہوائی جہاز کے ذریعے دنیا سمٹ کر رہ گئی ہے۔ اب مہینوں اور ہفتوں کا سفر گھنٹوں اور منٹوں میں طے ہونے لگا ہے

اور اس کے ذریعہ انسان کا بہت سا قیمتی وقت بچ جاتا ہے۔

5- ریڈیو و ٹیلی ویژن:

ریڈیو اور ٹیلی ویژن دورِ جدید کی حیرت انگیز ایجادات ہیں۔ ان کے ذریعے ہم گھر بیٹھے ہر قسم کے حالات سے باخبر رہتے ہیں۔ آج کی دنیا میں ریڈیو ٹی وی کی ایجادات کے بے شمار فائدے ہیں۔

6- ٹیلی فون اور وائرلیس:

ٹیلی فون اور وائرلیس بھی دورِ جدید کی حیرت انگیز ایجادات ہیں۔ ان ایجادات نے پیغام رسانی کے کام کو بہت آسان اور سہل بنا دیا ہے۔ ان کے بے شمار کاروباری، سیاسی، معاشرتی و دفاعی فوائد ہیں۔

7- دوربین و خوردبین:

دوربین اور خوردبین بھی سائنس کی عجیب و غریب ایجادات ہیں۔ ان کے ذریعے ہم ایسی چیزوں کا بآسانی مشاہدہ کر سکتے ہیں، جو عام انسانی آنکھ کی گرفت میں نہیں آسکتیں۔

8- کمپیوٹر:

کمپیوٹر جدید دور کی ایک حیرت انگیز ایجاد ہے۔ اس کے ذریعے اعداد و شمار کے حساب کتاب میں معجزانہ طور پر ترقی ہو چکی ہے۔ اب اس کا استعمال زندگی کے مختلف شعبوں میں عام ہو گیا ہے۔

9- ایکسرے:

ایکسرے کے ذریعے انسان کی ایسی اندرونی بیماریوں کی تشخیص ہو جاتی ہے، جو بظاہر ایک امر محال ہے۔ علاوہ ازیں بے شمار طریقہ ہائے علاج وجود میں آچکے ہیں۔

10- ریڈار:

ریڈار ایک اور حیرت انگیز ایجاد ہے۔ یہ گویا ایک مشینی آنکھ ہے، جو فضا میں ہوائی جہاز کی موجودگی کا پیشگی مشاہدہ کر لیتی ہے۔ اس طرح دشمن کے فضائی حملے کو روکا جا سکتا ہے اور ہوائی جہاز کو تباہ کیا جا سکتا ہے۔

11- مواصلاتی سیارہ:

دورِ جدید کی ایک اور اہم ایجاد مواصلاتی سیارہ ہے۔ اس کے ذریعے موسم کا حال معلوم کیا جاتا ہے اور ٹی وی پر بین الاقوامی پروگرام دیکھے جا سکتے ہیں۔

(iii) سیلاب کی تباہ کاریاں

سیلاب کی دو بڑی وجوہات ہوتی ہیں۔ موسم سرما میں پہاڑوں پر برف جم جاتی ہے، جو موسم گرما

میں پگھلنا شروع ہو جاتی ہے۔ برف کے پگھلاؤ سے بہنے والے پانی کو تو دریا سنبھال لیتے ہیں، لیکن جب پہاڑوں پر بہت زیادہ بارش ہوتی ہے تو اس پانی کو دریا سنبھال نہیں پاتے اور یہ پانی دریاؤں سے نکل کر میدانی علاقوں میں آ جاتا ہے۔ یہ بہت زیادہ تباہ کن ہوتا ہے اور بے حد جانی و مالی نقصان کا باعث بنتا ہے۔ ہزاروں ایکڑ فصل تباہ ہو جاتی ہے۔ اس سے ملکی زراعت کو بہت زیادہ نقصان پہنچتا ہے اور معیشت کو بھی نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔

سیلاب زیادہ تر موسمِ برسات میں آتے ہیں، کیونکہ برسات میں دریا پانی سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات نقصانات کی نوعیت معمولی ہوتی ہے تو بعض اوقات نقصانات اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ تباہی مچا دیتے ہیں۔ عام طور پر سیلاب سے وہ علاقے یا گاؤں زیادہ متاثر ہوتے ہیں، جو دریاؤں کے کنارے آباد ہوتے ہیں۔ یا ایسے دیہات، جو نشیبی علاقوں میں ہوتے ہیں، خاص طور پر سیلاب کی زد میں آ جاتے ہیں۔ سیلاب زدہ علاقوں میں نظامِ زندگی مفلوج ہو جاتا ہے۔ اس علاقے کے لوگوں کی حالت ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔ سیلاب سے زرخیز زمین تباہ ہو جاتی ہے اور فصلیں برباد ہو جاتی ہیں۔ وہ غریب کسان جن کا ذریعہ معاش زراعت ہوتی ہے، سیلاب اُن کے لیے کسی قیامت سے کم نہیں ہوتے۔ یہ سیلاب ان کو معاشی طور پر بدحال کر دیتے ہیں۔ ان کے مویشی مر جاتے ہیں۔ ان کے مکان زمین بوس ہو جاتے ہیں، پانی گھروں میں گھس جاتا ہے، جس سے سیلاب زدگان کی مشکلات میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔

سیلاب زدہ علاقے کے لوگوں کا سامان، خوراک، مویشیوں کا چارہ اور ایندھن وغیرہ سب ضائع ہو جاتے ہیں۔ اگر بارش آ جائے تو تباہی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت ایک دوسرے کی مدد بھی کوئی نہیں کر پاتا، کیونکہ سب خود مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ شدید سیلابوں میں جانی نقصان بھی بہت زیادہ ہوتا ہے۔ پانی کے کھڑے رہنے سے بہت سی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ صاف پانی اور خوراک کی کمی کی وجہ سے بیماریوں میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ زہریلے جانوروں کے کاٹنے سے لوگوں کی مشکلات میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ سیلاب سے ذرائع آمد و رفت کو بھی شدید نقصان پہنچتا ہے۔ اکثر پلوں کے ٹوٹنے سے سیلاب زدہ علاقے دوسرے علاقوں سے کٹ جاتے ہیں۔ جس سے وہاں سے نکلنا مزید مشکل ہو جاتا ہے۔

پنجاب کے بہت سے علاقے، جن میں ملتان، نارووال، شکرگڑھ، ظفروال، پسرور، سیالکوٹ اور وزیرآباد وغیرہ شامل ہیں، ہر دوسرے تیسرے سال سیلاب سے نقصانات اُٹھاتے ہیں۔ حکومتِ وقت کو چاہیے کہ ملک میں سیلاب کی روک تھام کے لیے مناسب اقدامات کرے۔ سیلاب زدہ علاقوں کی تعمیرِ نو میں حکومت کے ساتھ ساتھ سماجی و سیاسی تنظیموں کو بھی ہاتھ بٹانا چاہیے۔

سوال: 7- درج ذیل عبارت کو غور سے پڑھیے اور آخر میں دیے گئے سوالات کے جوابات تحریر کیجیے: **(10)**

ہم عصروں اور ہم چشموں کی رقابت پرانی چیز ہے اور ہمیشہ سے چلی آئی ہے۔ جہاں تک مجھے اُن سے گفت گو کا موقع ملا اور بعض اوقات چھیڑ چھیڑ کر اور کرید کرید کر دیکھا اور اُن کی تحریروں کے پڑھنے کا اتفاق ہوا' مولانا اس عیب سے بَری معلوم ہوتے ہیں۔ محمد حسین آزاد نے مولانا شبلی کی کتابوں پر کیسے اچھے تبصرے لکھے ہیں اور جو باتیں قابلِ تعریف تھیں ان کی دل کھول کر داد دی ہے۔ مگر ان بزرگوں میں سے کسی نے مولانا کی کسی کتاب کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ لاہور میں کرنل ہالرائیڈ کی زیرِ ہدایت جو جدید رنگ کے مشاعرے ہوتے اُن میں آزاد اور حالی دونوں نے طبع آزمائی کی۔ 'برکھا رُت'، 'حبِ وطن'، 'نشاطِ امید' اسی زمانے کی نظمیں ہیں۔ آزاد اپنے رنگ میں بے مثل نثار ہیں' مگر شعر کے کوچے میں اُن کا قدم نہیں اُٹھتا۔ لیکن مولانا کی انصاف پسندی ملاحظہ کیجیے کہ کیسے صاف لفظوں میں اس نئی تحریک کا سہرا آزاد کے سر باندھا ہے۔

سوالات:

(i) مولانا کس عیب سے بَری تھے؟

جواب: مولانا اپنے ہم عصروں اور ہم چشموں کی رقابت کے عیب سے بَری تھے۔

(ii) جدید رنگ کے مشاعروں میں کس قسم کی نظمیں پڑھی جاتی تھیں؟

جواب: جدید رنگ کے مشاعروں میں برکھا رُت' حبِ وطن' نشاطِ اُمید اور اس قسم کی دوسری نظمیں پڑھی جاتی تھیں۔

(iii) 'نثار' کے معنی لکھیے۔

جواب: 'نثار' کے معنی نثر لکھنے والا کے ہیں۔

(iv) ''مگر شعر کے کوچے میں اُن کا قدم نہیں اُٹھتا'' کے معنی بتایئے۔

جواب: اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ ''آزاد شعر و شاعری سے نابلد ہیں۔''

(v) داد دینا کے معنی لکھیے۔

جواب: داد دینا کے معنی ''تعریف کرنا'' کے ہیں۔